© rasailojaraid.com

[redacted]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکمت سید مودودی رح

[redacted]

ہمارے اس عہد کا کونسا ایسا شخص ہے جو علوم طبیعی کے انکشافات اور کمالات اور اُن کے اثرات سے ناواقف ہو۔ ہر انسان اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ ان ایجادات نے انسان کے مادی آرام و آسائش میں بے حد اضافہ کیا ہے۔ طریقۂ پیدائش میں نئی نئی گرہیں کھلنے سے انسان کو فراوانی میسر آئی ہے۔ سمندر کے اندر جانے، بجلی کو قابو میں کرنے، ہوا کے تموج اور ذرات کو اپنے نامہ و پیام کا ایلچی بنانے اور خود بخود بجنے والے باجوں اور ہوش ربا سرعت سے چلنے والی سواریوں کے کرشموں نے انسانی زندگی کو بے حد قوت عطا کی ہے اور اسی کی مدد سے اُس نے حیرت انگیز کام سرانجام دیئے ہیں۔

سائنس کی ان ایجادات کے اثرات صرف مادی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ ان سے انسان کی حیاتِ اجتماعی بھی شدید طور پر متاثر ہوئی ہے۔ وہ لوگ جو اس دنیا میں نظام اسلامی برپا کرنا چاہتے ہیں اُن کے لیے از بس ضروری ہے کہ وہ حالات کے ان غیر معمولی تغیرات کو پوری طرح ذہن میں رکھ کر اقدام کریں۔ ان صفحات میں یہ ممکن نہیں کہ ہم ان سارے تغیرات کا تفصیلی جائزہ لیں۔ یہاں ہم صرف چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

---

دورِ جدید کے انسان کے لیے نتائج کے اعتبار سے سب سے اہم ایجاد بھاپ کے دیو کی تسخیر ہے۔ اُس نے جس روز سے اس سے کام لینا شروع کیا ہے، اُسی دن سے اُس کے سامنے لاتعداد مسائل پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں۔ کثیر پیداواری اور زر پیداواری نے، جو اس دیو کی خدمت کے بالکل فطری نتائج ہیں، دُنیا میں بے روزگاری، استعماریت، خون ریزی، سفاکی، بے حسی اور طبقاتی تقسیم کو جنم دیا ہے۔ برق آسا ذرائع رسل و رسائل نے زمان و مکان کی حدبندیاں دور کرکے پوری دنیا کو ایک ناقابلِ تقسیم وحدت بنا دیا ہے۔ اب نہ صرف کرۂ ارضی کے دور دراز گوشے سمٹ کر ایک دوسرے کے بالکل قریب آگئے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف شعبے بھی ایک دوسرے میں اس طرح تحلیل ہو گئے ہیں کہ ہم ان کے درمیان کوئی حدِ امتیاز نہیں کھینچ سکتے۔ حیاتِ انسانی میں یہ اتنا عظیم تغیر ہے کہ اس نے زندگی کے سارے پہلوؤں پر نہایت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

---

آپ اگر صنعتی انقلاب سے پہلے کی اجتماعی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ حیاتِ انسانی مختلف اکائیوں میں بکھری پڑی تھی۔ ان اکائیوں میں ممکن ہے بہت سی چیزیں مشترک بھی ہوں اور وقت کے تہذیبی اثرات کی پرچھائیں بھی پڑتی ہوں لیکن ان مختلف اکائیوں میں رہنے والے لوگ نہ تو فکر و نظر کے اعتبار سے بالکل ایک دوسرے کے ہم آہنگ تھے اور نہ تمدن و معاشرت میں ہم رنگ۔ لیکن جس دن سے ذرائع رسل و رسائل نے دنیا کے مختلف حصوں کی طنابیں کھینچ کر انھیں ایک دوسرے کے بالکل نزدیک کر دیا ہے، اسی دن سے انسان کے لیے نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا ہے کہ وہ اپنی تہذیبی قدار کو غالب قوتوں کی دست برد سے بچا کر رکھے۔ یہ قوتیں سیلِ بے پناہ کی طرح جب امڈ پڑتی ہیں تو پھر کوئی جگہ ان کی زد سے محفوظ نہیں رہتی۔ گھر، بازار، دربار و ایوان، ثقافتی اور معاشرتی ادارے، الغرض زندگی کے سارے شعبے اس کی لپیٹ میں یکساں طور پر آجاتے ہیں۔ حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہتا جو ہزار سعی کے باوجود اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کر دے۔ چنانچہ وہ قومیں جن کے ہاں رنگ و نسل کا امتیاز دین و ایمان کا ایک ضروری جزو سمجھا جاتا ہے، وہ بھی فکر و نظر کی کسی اساسی تبدیلی کے بغیر محض حالات کے ہاتھوں اسے ترک کر دینے پر مجبور ہوئی ہیں۔ یہی حال آداب و اطوار، آرائش و زیبائش اور طرزِ بود و ماند کا ہے۔ زندگی کے جن طور طریقوں کو عروج حاصل ہوتا ہے وہ بڑی ہی سرعت کے ساتھ دوسرے لوگوں میں پھیلنے شروع ہو جاتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو ان کی راہ روک سکے۔

---

اسی طرح معاشی میدان میں بھی ایک زبردست تغیر رونما ہوا ہے۔ ذرائع آمد و رفت نے صرف دنیا کے مختلف ممالک کو ہی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملا دیا، بلکہ ہر شہر اور ہر قریہ کو پوری دنیا کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح جکڑ دیا ہے کہ اب اُس کا کسی طرح بھی اُس سے الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں رہا۔ اس تبدیلی کے بعد اب اگر کوئی قوم یہ سمجھتی ہے کہ وہ کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر وقت کے بُرے اثرات سے اپنے آپ کو بچا کر لے جانے میں کامیاب ہوسکتی ہے تو وہ جنت الحمقا میں بستی ہے۔ ایک ملک خواہ اپنے لیے کسی نظامِ معیشت کو پسند کرے لیکن وہ اس بات کے لیے بالکل مجبور ہوتا ہے کہ وقت کے معاشی تقاضوں کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔ وہ اپنے دلپسند نظامِ معیشت کو اس وقت تک اپنا نہیں سکتا جب تک کہ اس کے بارے میں ساری دنیا سے لڑ جانے کی طاقت پیدا نہ کرے اور بالآخر دنیا کے رجحانات کو بدل کر اسے دنیا کی ایک غالب قوت بنا کر نہ رکھ دے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں اگر کوئی اللہ کا بندہ رزقِ حلال کا لقمہ مُنہ میں ڈالنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو اُس کو پوری دنیا کے ساتھ جنگ آزما ہونا پڑے گا۔

---

حالات اور فکر و نظر کی اسی تبدیلی کے نتیجہ میں اب دنیا کی ساری حکومتوں نے عدم مداخلت (LAIZZEZ - FAIRE) کی پالیسی کو ترک کر کے معاشی میدان میں پوری طرح دخل دینا شروع کر دیا ہے۔ اس دور میں کوئی حکومت اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ معیشت کے معاملہ میں ایک خاموش اور بے تعلق تماشائی بن کر بیٹھی رہے اور اگر وہ ایسا کرنے کی حماقت کرے گی تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھود دے گی۔ چنانچہ دیکھیے کہ اب ہر حکومت درآمد و برآمد پر پورا پورا کنٹرول رکھتی ہے، کارخانوں کی ترقی و توسیع میں، پیداوار کو بڑھانے اور گھٹانے میں اسے مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ملک کی ساری معیشت پر اُس کا پوری طرح قبضہ ہوتا ہے۔ وہ جس طرح چاہتی ہے اسے نشو و نما دیتی ہے اور جن سانچوں میں چاہتی ہے ڈھال دیتی ہے۔ اور اگر وہ اس کا التزام نہ کرے تو نہ صرف اُس کا اپنا وجود معرضِ خطر میں پڑ جاتا ہے، بلکہ پوری ملکی معیشت میں ایک زبردست اختلال اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

---

معاملہ پھر محض مداخلت تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ دنیا کے سارے ممالک نے اب منصوبہ بندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو راہنما اصول کے طور پر تسلیم کر کے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہ ممالک جو براہِ راست اشتمالیت کی زد میں ہیں ان میں تو اس منصوبہ بندی نے ایک شدید جکڑ بندی (REGIMENTATION) کی صورت اختیار کر لی ہے، لیکن جو قومیں آزاد معیشت کی علمبردار ہیں وہ بھی اب اس بات پر مجبور ہو چکی ہیں کہ پیداواری قوتوں کے درمیان تطابق و توافق پیدا کرنے کے لیے اُن کی منصوبہ بندی کی جائے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے ایک طرف تو حکومت کی ذمہ داریوں میں بے حد اضافہ ہوا ہے اور دوسری طرف اُس کے ہاتھ میں اتنی زبردست قوت آگئی ہے کہ کوئی براہِ راست اقدام کیے بغیر وہ زندگی کی گاڑی کو جس رُخ چاہے بڑی آسانی سے موڑ سکتی ہے۔ ہماری زندگی میں معیشت کو جو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اُس سے ہر شخص پوری طرح آگاہ ہے۔ اس شعبۂ حیات کی صورت گری کرنے اور اسے اپنے منصوبے کے مطابق چلانے کے اختیارات جس قوتِ قاہرہ کو حاصل ہوں اس کی اثر آفرینیوں کا صحیح طور پر وہی آدمی اندازہ لگا سکتا ہے جس نے کبھی اس معاملہ کا گہرائی میں اُتر کر مطالعہ کیا ہو۔ وہ قومیں جن کے ہاں ہم معاشی زندگی میں ایک طرح کی آزادی دیکھتے ہیں وہ اگرچہ اُس طرح پابہ زنجیر تو نہیں ہیں جس طرح کہ روسی اور ان کے زیرِ اقتدار لوگ ہیں لیکن اُن کے ہاں بھی آزادی اب محض نام کی رہ گئی ہے۔ دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ اشتراکی ممالک میں قوت اور طاقت کی مدد سے لوگوں کو معاشی زندگی کے ایسے جیل خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے جن کی حد بندیوں کو لوگ بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اور جن کی تاریکیوں سے نکلنے کے ہمیشہ آرزو مند رہتے ہیں۔ مگر آزاد معیشت کے دعویدار ممالک میں لوگوں کو قید و بند میں ڈالنے کی بجائے نہایت عیاری اور ہوشیاری کے ساتھ ان کے گرد ایسی غیر محسوس دیواریں چُن دی جاتی ہیں، جن میں لوگ مقید تو ضرور رہتے ہیں مگر جن سے باہر نکلنے کی خواہش ان کے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو بالکل آزاد اور خود مختار سمجھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ منصوبہ بندی کا دستِ غیب ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور جس سے نکلنے کی کوئی کوشش بھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتی۔ اشتراکیت کا جبر و تشدد ملک کے باشندوں کو مختلف سانچوں میں ڈھالتا ہے مگر آزاد معیشت میں منصوبہ بندی کا فسوں لوگوں کے فکر و احساس کی صورت گری کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قریب قریب یہی حال سیاست کا ہے۔ اب مملکت اور حکومت کا دائرۂ اقتدار اتنا وسیع اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں پر اس قدر محیط ہے کہ مملکت خود ایک مستقل دین بن گئی ہے جو اپنے دائرۂ اثر میں کسی دوسری مؤثر طاقت کے وجود کو برداشت نہیں کرتی۔ آج مملکت اپنے ہر شہری سے یہ چاہتی ہے کہ وہ اس کی خاطر اپنی جان، مال، اولاد، عزت، آبرو، حتیٰ کہ ضمیر و ایمان تک کو قربان کر دے اور اپنی تمام خواہشوں اور امنگوں کو بھی اس کی مشیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دے۔ اس کی دوستی اور دشمنی، اس کی پسند و ناپسند بلکہ اُس کی حیات و ممات بھی ریاست کی خاطر ہو۔ مانگے تو اسی سے مانگے اور جھکے تو اسی کے آگے جھکے۔ جدید مملکت عہد حاضر کا سب سے بڑا معبود ہے۔ آج وہ فرد سے مکمل اور بلاشرکتِ غیرے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہی فرد کو ایک پوری شریعت دیتی ہے جو اس کی زندگی کے تمام جزئیات و فروع کا احاطہ کر لیتی ہے، اور وہی اپنے نظامِ تعلیم اور وسائل نشر و اشاعت کے ذریعے سے افراد کے لیے عقائد، تصورات، نظریات اور فلسفۂ حیات و ممات متعین کر دیتی ہے۔ یہ نیا رنگ جو موجودہ دَور میں ریاست نے اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے صرف یہی نہیں کہ اسے انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل ہو گیا ہے، بلکہ درحقیقت عملاً وہ خدا اور دین کی پوری پوری مدمقابل بن گئی ہے۔

---

آج سے دو سو سال قبل اسٹیٹ کی یہ حالت نہ تھی۔ ایک طرف ذرائع رسل و رسائل کی کمی کی وجہ سے اس کی گرفت تمام علاقوں میں یکساں طور پر مضبوط نہ ہوتی تھی۔ وہ صرف اسی بات پر قانع رہتی تھی کہ اس کے زیر اقتدار رہنے والے لوگ صرف اسے محصولات ادا کر دیا کریں۔ اور اس کے اقتدار کو کسی طرح چیلنج نہ کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر نہ تو اس کا کوئی مطالبہ تھا اور نہ یہ کسی بات کی آرزومند تھی۔ اس کے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی فہرست میں بالعموم تین چیزیں شامل ہوتیں، خارجی دفاع، اندرونی نظم و نسق اور معاہدات و مواثیق کی تعمیل کروانا۔ یہی وجہ ہے کہ جو فسق و فجور، جو برائی اور خرابی، عیش و تنعم کی جو مختلف شکلیں دربار و ایوان میں جنم لیتیں، وہ زیادہ تر وہیں تک، یا حد سے حد تک دار السلطنت کی سوسائٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک محدود رہتیں، ان سے آگے نہ بڑھنے پاتیں۔ سوسائٹی کا عام طبقہ ان برائیوں اور گمراہیوں کے اثرات بد سے بڑی حد تک محفوظ و مامون رہتا۔ ریاست اُس زمانے میں انسانی زندگی کا احاطہ کرنے پر عملاً قادر بھی نہ تھی، اور ایسے ہمہ گیر پروگرام لے کر ریاستیں اس زمانے میں اُٹھتی بھی نہ تھیں۔

دوسرے مملکت اپنے آپ کو اخلاقی پابندیوں سے آزاد نہ سمجھتی تھی۔ مذہب کی حقیقی روح اپنی پوری تازگی اور قوت کے ساتھ نہ سہی، کم از کم ایک کمزور اور معمولی شکل میں اس دَور کے سارے افکار و اعمال میں جاری و ساری تھی اور ریاست بھی اس بات پر مجبور تھی کہ اس کی برتری اور بالادستی کو تسلیم کرے۔ چنانچہ وہ لوگ جو بااختیار تھے وہ اپنی ساری بدعنوانیوں اور بے حیائیوں کے باوجود اتنی جرأت نہ رکھتے تھے کہ علانیہ اخلاقی اقدار اور معیارات بدل ڈالیں اور دانستہ اُن برائیوں کی اشاعت کرنے لگیں جنہیں مذہب و اخلاق مذموم قرار دیتے ہیں۔ ان حالات میں اگر مذہب اور سیاست کی تفریق کا کوئی قائل تھا بھی تو اس سے اتنی بڑی قباحت رونما نہ ہو سکتی تھی جتنی آج ہوتی ہے، کیونکہ اس زمانے میں سیاست کا دائرہ اپنے جبروت اور اقتدار کے باوجود ہمہ گیری کی قوت سے محروم تھا۔ اور زندگی کے میدان میں مذہب کے دائرے کے لیے بھی کافی گنجائش باقی رہ جاتی تھی۔ لیکن آج اس عہد میں جس میں ہم نے آنکھیں کھولی ہیں حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب مذہب اور سیاست کی تفریق کا فلسفہ یہ معنی رکھتا ہے کہ سب کچھ قیصر کا ہو جائے اور خدا کا کچھ بھی نہ رہے۔ اب سلطنت اپنے اوپر کسی ہستی کی بالاتری نہیں مانتی جس کا کوئی حکم اس کے اختیارات کو محدود کر سکتا ہو، اور اس کے برعکس وہ افراد سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس کی لاشریک بالاتری کو تسلیم کریں اور اپنے آپ کو بالکل اس کی اطاعت میں دے دیں۔ اگر ریاست مناسب سمجھے تو لوگوں کو نجی طور پر مذہب و اخلاق کی پیروی کرنے کی اجازت دے دے، لیکن اوّل تو وہ خود مذہب اور اخلاق سے بالا ہے، دوسرے انسانی زندگی پر اس کی بالاتری اس قدر مکمل ہے کہ نجی زندگی میں مذہب و اخلاق کے دائرے کی وسعت کا انحصار نہ تو مذہبی احکام پر ہے نہ افراد کے شخصی اعتقاد پر، بلکہ وہ سراسر ریاست کی مرضی پر منحصر ہے۔ جتنا وہ چاہے گی اس کو پھیلنے دے گی اور جتنا چاہے گی سکیڑ دے گی۔ یہاں تک کہ اگر وہ چاہے تو انتہائی مذہب پرست آبادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


کے بطن سے سخت مذہب دشمن نسل اٹھا کر دکھا سکتی ہے۔

---

مملکت کی اس ہمہ گیری اور الوہیت کے دعووں میں، جن کی عملی تعبیر ہم آج کل کی کلیت پسند یا نیم کلیت پسند ریاستوں میں دیکھ رہے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ کوئی طبقہ اپنے مذہب اور دین و ایمان پر قائم رہ سکے، خصوصاً جبکہ اس کا دین و مذہب عیسائیت یا بودھ مت جیسا مسکین مذہب نہ ہو بلکہ اسلام جیسا کلیت پسند مذہب ہو جو زندگی کے سارے گوشوں پر اسی طرح حاوی ہونے کا تقاضا کرتا ہے جس طرح آج کل کی ریاست کرتی ہے۔ اب تو اعلائے کلمۃ الحق کی واحد صورت یہی ہے کہ ریاست کو اسی حق کا تابع بنایا جائے، یا زیادہ صحیح الفاظ میں اسی حق کو عملاً ریاست بنا دیا جائے جس پر آپ ایمان رکھتے ہیں۔ ورنہ لادینی ریاست میں محض لاؤڈ اسپیکر پر کلمۂ حق بلند کرکے یہ سمجھ لینا کہ ہم اعلائے کلمۃ الحق کر رہے ہیں صرف ایک غلط فہمی ہے جس کی تہ میں حقیقت کا ایک ادنیٰ شائبہ تک نہیں ہے۔

جب تک مسلمان ریاست کے بارے میں اس جدید رجحان اور اس کے مقتضیات کو اچھی طرح سمجھ نہیں لیتے اس وقت تک کوئی ایسا انقلاب برپا نہیں کیا جا سکتا جس میں نظام حیات کے بدلنے کا داعیہ ہو۔ آپ آج چراغ لے کر ڈھونڈیئے اور حیاتِ انسانی کے کسی ایسے خانے کی تلاش و جستجو کیجئے جس پر مملکت کے اثرات پوری طرح نمایاں نہ ہوں۔ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ آپ اس معاملہ میں جتنی سعی و جہد کریں گے اس میں آپ کو اتنی ہی ناکامی ہوگی۔ اب زندگی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا منطقہ بھی ایسا نہیں رہا جس میں مملکت کے رجحانات نفوذ نہ کر گئے ہیں۔ یہ ایک ایسی صورت ہے کہ اس میں زندگی کے ایسے چھوٹے چھوٹے جزیرے قائم نہیں کیے جا سکتے۔ جہاں اطمینان اور سکون کے ساتھ الگ بیٹھ کر پہلے لوگوں کی تربیت کی جائے اور پھر انہیں لا کر باطل کے خلاف ایک دم صف آراء کر دیا جائے۔ فسق و فجور کا وہ طوفان جو حکومت کے چشمہ سے اُبل کر آتا ہے وہ اتنا طاقتور اور خوفناک ہوتا ہے کہ اس کے دائرۂ اثر میں کوئی جزیرہ اس کی لپیٹ سے محفوظ نہیں رہ سکتا، اور نہ ایسے کسی جزیرے کو یہ فاسق و فاجر حکومتیں پنپنے کا موقع دیتی ہیں۔ جس میں ان کو کسی مدمقابل طاقت کے ابھرنے کا کچھ بھی امکان

© rasailojaraid.com